آسان عروض اور شاعری کی بنیادی باتیں

سبق۔۶

سرورعالم راز سرورؔ

۵۔۱: ابتدائیہ

’’آسان عروض اور شاعری کی بنیادی باتیں‘‘ مضامین کے سلسلہ کی قسط۔۶ پیش کی جارہی ہے۔اس کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔اس تاخیر کی سب سے بڑی وجہ تو راقم الحروف کی غیر معمولی مصروفیت ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے دیگر مسائل بھی اپنی جگہ توجہ چاہتے تھے۔پچھلی قسط میں یاران اُردو انجمن سے گذارش کی گئی تھی کہ وہ ان مضامین پر اظہار خیال کر کے میرا کام آسان بنائیں لیکن میری یہ درخواست بھی پچھلی گذارشات کی طرح صدا بہ صحرا ثابت ہوئی۔ بایں صورت مضامین کی تہذیب و تدوین میں میری مشکلات کافی بڑھ جاتی ہیں کیونکہ مجھ کو کوئی اندازہ نہیں ہے کہ اس سلسلہ سے کسی کو کوئی فائدہ ہو بھی رہا ہے کہ نہیں اور اگر ہو رہا ہے تو اس کو کس طرح مزید بہتر بنایا جاسکتا ہے۔لہٰذہ مجھ کو اپنی صواب دید سے ہی کام لینا پڑتا ہے اور جیسا مجھ کو مناسب معلوم ہوتا ہے اسی طرح مضامین کو مرتب کرتا ہوں۔ بہرکیف یہ سلسلۂ مضامین کسی نہ کسی طرح جاری رکھا جائے گا۔امید ہے کہ اس کے اختتام پر ایک کتابچہ تیار ہو چکا ہوگا۔کیا عجب کہ اس کی اشاعت کی کوئی صورت بھی پیدا ہو جائے تاکہ اس کے ممکنہ فوائد کا دائرہ وسیع تر ہو سکے۔انشااللہ۔

اس قسط میں قسط۔۵ کے سوال نمبر۔۷ کا آخری حصہ پیش کیا جائے گا۔یعنی تقطیع کے بنیادی اصول بیان کئے جائیں گے،ان کی مثالیں دی جائیں گی اور ساتھ ہی (اگر ممکن اور مناسب ہوا تو) افاعیل کے زِحافات کی ایک مکمل فہرست بھی منسلک کی جائے گی۔بہتر ہوگا کہ وہ قارئین جن کو عروض سیکھنے کا شوق ہے ان سب مضامین کو چھاپ کر محفوظ کر لیں اور ہر نئی قسط پڑھنے سے قبل پچھلی قسطوں پر ایک طائرانہ نگاہ ضرور ڈال لیں۔اس سے ان کے ذہن میں پرانے اسباق کی باتیں تازہ ہو جائیں گی اور انھیں نئے سبق کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

ہمارے ماہرینِ علم عروض نے تقطیع کے اصول نہایت مفصل طریقے پر مرتب کئے ہیں اور ان میں بڑی

نزاکتیں اور باریکیاں پیدا کی ہیں۔ اس سے یہاں بحث نہیں ہے کہ ان سب باریکیوں کی ضرورت تھی یا نہیں، یا یہ کہ ان کی وجہ سے اُردو شاعری کو کتنا فائدہ ہوا ہے اور کتنا نقصان۔ ہمارا مقصد اِن اُصولوں کو بیان کرنا اور مثالوں سے انھیں واضح کر دینا ہے۔ تقطیع کے سب اصولوں کا احاطہ ان مضامین میں تفصیل سے کرنا نہایت مشکل ہے لیکن خاص خاص اصول ضرور پیش کیے جائیں گے۔ ان میں سے بھی بعض نوآموز شاعروں کی اُلجھن کا باعث ہو سکتے ہیں لیکن اس سے مفر نہیں ہے۔ کوشش کی جائے گی کہ مثالیں دے کر یہ مشکل آسان کی جا سکے۔ امید ہے کہ ان اصولوں کے تفصیلی مطالعہ، غور و فکر اور پھر ان کی مثالوں کی مدد سے تقطیع کی مشق کے بعد قارئین کی شاعرانہ اور ناقدانہ استعداد میں اضافہ ہو گا۔

۲.۵: تقطیع کے بنیادی اُصول

اُردو کی بحروں کے بیان اور اُن کے زحافات اور تقطیع سے قبل تقطیع کے بنیادی اُصول ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔ اِن اُصولوں سے انحراف کلام میں ایسی غلطیاں اور نقائص پیدا کرے گا جن سے گریز لازمی ہے۔ یہ اصول ایک مخصوص ترتیب میں پیش کیے جائیں گے تا کہ یکساں اثر رکھنے والے اصول ایک جگہ ہی سامنے آ جائیں۔ مثال کے طور پر جو اصول حرف :واو: پر منطبق ہوتے ہیں انھیں ایک ہی سلسلہ میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اسی طرح :ی: اور :نون: وغیرہ کے اصول بھی اسی طرح دیے جائیں گے۔ تقطیع کے ان اصولوں کو پڑھنے کے بعد یہ بات واضح نہیں بلکہ ثابت ہو جائے گی کہ 1-2 یا s-l والی گردانیں تقطیع کے بالکل ابتدائی مراحل میں مبتدیوں کے کام تو شاید آ سکتی ہیں لیکن وہ تقطیع کی نزاکتوں اور باریکیوں کا احاطہ کرنے میں قطعی بے سود اور ناکارہ ہیں۔ آیئے اب ان اُصولوں پر کچھ گفتگو کی جائے:

اُصول۔〈۱〉: الفاظ جس طرح پڑھے یا بولے جاتے ہیں اسی طرح انھیں تقطیع میں محسوب کیا جاتا ہے (یعنی حساب میں لیا جاتا ہے یا شمار کیا جاتا ہے)۔ تقطیع کا تعلق الفاظ کے طریقِ تحریر یعنی املا یا کتابت سے مطلق نہیں ہے۔ گویا تقطیع میں کسی لفظ کی کتابت معتبر نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کی قراءت (یعنی جس طرح اُسے زبان سے اَدا کیا جائے) یا تلفظ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ آپ کو یہ اصول عروض کی کسی کتاب میں یوں بھی لکھا دکھائی دے سکتا ہے کہ :تقطیع ملفوظی ہوتی ہے، مکتوبی نہیں ہوتی:۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے: ملفوظی: سے مراد

لفظوں کی ادائیگی (یا تلفظ) کی صورت مقصود ہے جب کہ: مکتوبی: سے مراد ان کی لکھی ہوئی (یا کتابت شدہ) شکل ہے۔ تقطیع کے اس اُصول کی تھوڑی سی صراحت درجِ ذیل ہے:

(ا) اُردو میں کثرت سے ایسے الفاظ مستعمل ہیں جو لکھے تو ایک طرح سے جاتے ہیں لیکن پڑھے یا بولے کسی اور طرح سے جاتے ہیں۔ یہی پڑھنے یا بولنے کا انداز تقطیع میں بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔ مثالیں دیکھئے:

لفظ کی مکتوبی شکل	لفظ کی ملفوظی شکل
خوشی	خُشی
بالکل	بِل کُل
فی الحال	فِل حال
عبدالرحمٰن	عبدُ ررَحمان
مدینۃُ النّبی	مَدِینَتُن نَبی
عبدُ الشکور	عبدُش شکور
نظامُ الاوقات	نِظامُل اَوقات
رَبُّ العِزَّت	رَب بُل عِزَزَت
بَرخوردَار	بَرخُردار
شمسُ الضُّحیٰ	شَمسُض ضُحا
اِتِفاقاً	اِت تِفاقَن
دارُالِاقامہ	دارُل اِقامہ

(ب) اُردو میں الفاظ کی ادائیگی کی دوسری صورتیں بھی عام ہیں۔ بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کا املا دوطرح سے کیا جاتا ہے لیکن تلفظ میں فرق بہت خفیف ہوتا ہے اور بعض اوقات غیر محسوس ہوتا ہے۔ بعض آوازیں لکھنے میں لمبی دِکھائی دیتی ہیں لیکن بولتے وقت اُنھیں چھوٹا کردیا جاتا ہے۔ بعض آوازیں ایسی ہیں جو لکھنے میں چھوٹی دِکھائی دیتی ہیں لیکن بولتے میں ان کو کھینچ کر لمبا کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح کچھ الفاظ (خصوصاً اِضافت کے ساتھ لکھے جانے والے الفاظ) دونوں طرح (چھوٹی آواز میں بھی اور لمبی آواز میں بھی) ادا کیے جاسکتے ہیں۔ کچھ الفاظ ایسے بھی ہیں جن میں حروف آپس میں ضم (جذب) کرکے ادا کیے جاتے ہیں۔ ایسی چند مثالیں نیچے دی جارہی ہیں۔

(a) ہم: اَور: لکھتے ہیں اور عام طور پر اس کو بولتے وقت ایک لمبی آواز کی طرح (بروزنِ:غور:) ادا بھی کرتے ہیں۔ لیکن ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا ہے اور حسب ضرورت اس کی آواز کو چھوٹا کرکے (تقریباً: اُر: کے وزن پر) ادا کرتے ہیں۔ مثالوں سے یہ بات مزید واضح ہوسکتی ہے۔

اَور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا ساغرِ جم سے مِرا جامِ سِفال اچھا ہے (غالبؔ)

اس شعر میں: اَور: کو ایک لمبی آواز کی طرح ادا کیا گیا ہے جو اس کا صحیح اور معروف تلفظ ہے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا (غالبؔ)

اس شعر میں :پیکرِ تصویر: کو: پیکرے تصویر: کی طرح ادا کیا گیا ہے، گویا ایک چھوٹی آواز کو کھینچ کر بڑا کردیا گیا ہے۔ اب غالبؔ کا ہی دوسرا شعر دیکھئے:

تم اُن کے وعدے کا ذکر اُن سے کیوں کرو غالبؔ
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

اس شعر میں :اور: کو پوری طرح کھول کر ادا نہیں کیا گیا ہے، یعنی اس کی آواز میں وہ کھنچاؤ نہیں ہے جو پہلے شعر کے :اور: میں واضح تھا۔ اسی طرح مولانا حالیؔ کا شعر دیکھئے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی برلانے والا

اس شعر میں :لی:اور:نے: دونوں لمبی آوازیں ہیں لیکن شعر کی ادائیگی میں ان کو چھوٹا کردیا گیا ہے اور: کی: کو: کِ:

اور:نے:کو:نِ: کی طرح ادا کیا گیا ہے۔ تقطیع میں یہی پڑھی اور بولی جانے والی شکلیں لی جائیں گی۔

(b) اوپر: پیکرِتصویر: کا ذکر ہو چکا ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ جن تراکیب میں کسرۂ اضافت (یعنی وہ :زیر: جس سے اضافت ظاہر ہو) استعمال ہوتی ہے اُن کو بھی دونوں طرح (چھوٹی آواز میں یا کھینچ کر بڑی آواز سے) ادا کیا جاسکتا ہے۔مثال کے طور پر :مہِ کامل: کو ہم :مہے کامل: بھی کہتے اور باندھتے ہیں۔

عروجِ آدمِ خاکی سے تارے سہمے جاتے ہیں کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے

(علامہ اِقبالؔ)

اس شعر میں :مہِ کامل: کی ادائیگی :مہے کامل: کی طرح سے ہے۔اسی طرح :قیدِ حیات: کو :قیدے حیات: ، :رقیبِ سروساماں: کو :رقیبے سروساماں:، :نقشِ قدم: کو :نقشے قدم: بھی پڑھتے اور باندھتے ہیں۔

شوق ہر رنگ رقیب سروساماں نکلا قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا (غالبؔ)

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں خیاباں خیاباں اِرم دیکھتے ہیں (غالبؔ)

لیکن اب غالبؔ کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے:

زخم نے داد نہ دی تنگیٔ دل کی یارب تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشاں نکلا

اس شعر میں :تنگیٔ دل: کو اس طرح ادا کیا جارہا ہے کہ :تنگی: کو کھینچ کر اس کی فطری شکل ادا نہیں ہو رہی ہے۔گویا یہاں :تنگیٔ دل: کی مکتوبہ :ی: ساقط کر دی گئی ہے اور اس کو :تنگ ِدل: پڑھا گیا۔ان چند مثالوں پر اسی طرح کی دوسری اضافتوں کو قیاس کر لیجئے۔

(c) بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کے متصل حروف ایک دوسرے میں ضم ہو جاتے ہیں اور مل کر ایک ہی آواز پیدا کرتے ہیں۔مثال کے طور پر ہم :خوش آواز: لکھتے ہیں لیکن :خُش آواز: پڑھتے ،بولتے اور باندھتے ہیں اور شعر میں اس کی بندش ایسی بھی ہوسکتی ہے کہ اِس کا تلفظ :خشاواز: کیا جائے۔اسی طرح :دلآویز: کو :دلاویز: بھی ادا کرتے اور شعر میں باندھتے ہیں۔ پہلی صورت میں کہا جائے گا کہ ”:ش: اپنے مابعد :الف: میں ضم ہو گیا ہے“۔دوسری مثال میں :دل: کا :لام: اپنے مابعد :آویز: کی :آ: میں ضم ہو گیا ہے۔یہی صورت :بالآخر: کی بھی ہے کہ ہم اس کو :بل آخر: اور بعض اوقات :بلاخر: پڑھتے ،بولتے اور باندھتے ہیں۔ایسی سب

صورتوں میں ان الفاظ کی تقطیع کے لئے ان کی ملفوظی شکل ہی استعمال کی جائے گی۔ گویا: بالآخر: کو اگر کسی شعر میں :بل آخر: کی طرح ادا کیا جائے گا تو اس کا وزن: مَفعولُن: ہوگا اور اگر :بلاخر: کی طرح باندھا جائے گا تو اس کا وزن :فَعولُن: ہوگا۔ چند مثالیں دیکھئے:

مہرباں ہو کے بلالو مجھے چاہو جس وقت میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں (غالبؔ)

بہت اصرار کرنے سے اُٹھائی تو ہے آنکھ اس نے
مگر چتون یہ کہتی ہے کہ آئے اور حجاب آئے (نظم طباطبائی)

غالبؔ کے شعر میں: پھر: کی :رے: اپنے مابعد حرف :آ: میں ضم ہو کر: پھرا: کی آواز دے رہی ہے۔ اسی طرح نظم طباطبائی کے شعر میں: حجاب آئے: پڑھنے میں: حجابائے: کی طرح ادا ہو رہا ہے۔ بول چال میں بھی ہم ایسا ہی استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسی ادائیگی کی موجودگی شعر میں یا اس کی تقطیع میں عین اقتضائے فطرت ہے۔

(d) بہت سے الفاظ اُردو میں ایسے ہیں جو :ہ: اور :الف: دونوں سے لکھے جاتے ہیں۔ مثلاً:

آئینہ، آئینا؛ تماشہ، تماشا؛ نشہ، نشا؛ پردہ، پردا؛ بھروسہ، بھروسا وغیرہ۔ ایسے الفاظ دونوں طرح سے بولے، پڑھے اور باندھے جاتے ہیں اور ان کا: تقطیعی :وزن نہیں بدلتا ہے۔

آئینہ ، آئینا: مَفعولُن

تماشہ ، تماشا: فَعولُن

پَردہ ، پَردا : فَعلُن

بازیچۂ اطفال ہے دُنیا مرے آگے ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

آئینہ دیکھ اپنا سا منھ لے کے رہ گئے صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

غالبؔ کے ان اشعار میں: تماشا: اور: آئینہ: جیسے لکھے ہوئے ہیں اُسی طرح ادا بھی ہو رہے ہیں یعنی: تماشا: کی شین کو الفِ علت سے کھینچ کر لمبا کر دیا گیا ہے جب کہ: آئینہ: میں :نہ: کی آواز اپنی چھوٹی شکل میں ادا ہوئی ہے۔ اس مرحلہ پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر کسی غزل میں ایسے الفاظ جو چھوٹی :ہ: پر ختم ہوتے ہیں (مثلاً آئینہ، فریفتہ، تماشہ وغیرہ) :الف: پر ختم ہونے والے الفاظ (مثلاً پیدا، دنیا، کیسا) کے ساتھ بطور قافیہ لائے جائیں تو کیا

ایسے الفاظ کی املا بدل کر ان کو :الف: سے لکھنے کی ضرورت ہے تا کہ غزل میں ایک طرح کی یکسانیت پیدا ہو جائے؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ایسا کرنا چاہئے لیکن بیشتر علماء ایسا کرنے کے خلاف ہیں۔ مثال کے طور پر علم عروض کے نامور ماہر علامہ شاداںؔ بلگرامی نے صاف صاف لکھا ہے کہ :اگر چھوٹی ہ پر ختم ہونے والے الفاظ کا قافیہ :الف: پر ختم ہونے والے الفاظ سے کیا جائے تو املا بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔: یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے جس پر زیادہ وقت صرف کیا جائے۔ ہمارے مقاصد کے لئے اس باریکی میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

(e) بہت سے ایسے الفاظ بھی ہیں جن میں بعض حروف لکھے تو نہیں جاتے لیکن ان کو علامات سے دِکھایا جاتا ہے اور تلفظ میں وہ واقع ہوتے ہیں۔ ایسے حروف تقطیع میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر :واللہ: کو لیجئے۔ اس میں :لام: مشدّد ہے یعنی اس پر تشدید ہے اور :واللہ: کی ادائیگی میں اس کی آواز دو مرتبہ سنائی دیتی ہے (وَل لاہ)۔ البتہ :واللہ: کا پہلا :الف: لکھا تو جاتا ہے لیکن بولا نہیں جاتا ہے۔ چنانچہ تقطیع میں یہ پہلا :الف: محسوب (شمار) نہیں ہو گا یعنی اس کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ مشدّد :لام: کے بعد جو :الف: کی آواز سنائی دیتی ہے لیکن کتابت میں ظاہر نہیں ہے وہ حسب ضرورت تقطیع میں لی بھی جا سکتی ہے اور نظر انداز بھی کی جا سکتی ہے۔ یعنی :واللہ: کو عموماً ہم :وَل۔لاہ: کہتے اور پڑھتے ہیں چنانچہ اسی طرح اس کو باندھیں گے بھی اور اس کا وزن :مفعول: (بہ سکونِ لام) قرار پائے گا۔ اوپر لکھا گیا ہے کہ بوقت ضرورت :واللہ: کا :دوسرا الف: جس کی آواز :ہ: سے قبل سنائی دیتی ہے ادا بھی کیا جا سکتا ہے اور :گرایا: بھی جا سکتا ہے۔ مرزا غالبؔ کا شعر دیکھئے:

دم واپسیں بر سرِ راہ ہے بس اب یارو اللہ ہی اللہ ہے

اس شعر کے دوسرے مصرع میں پہلے :اللہ: کا یہ :الف: گرا دیا گیا ہے اور دوسرے :اللہ: میں اس کو کھینچ کر پوری آواز دی گئی ہے۔ ہر چند کہ تقطیع کا بیان ابھی نامکمل ہے لیکن اس نکتہ کی وضاحت کے لئے اس شعر کی تقطیع یہاں لکھی جاتی ہے :تا کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آوے!:

دم وا؛	پسیں بر؛	سرِ را؛	ہَ ہے
فَعولُن ؛	فَعولُن ؛	فَعولُن ؛	فَعَل

بس اب یا؛ رو اَ لَّہ؛ ہی الاّ؛ ہَ ہے

(f) عربی میں بعض الفاظ سے پہلے :الف ،لام: لکھ دیتے ہیں جس سے اس لفظ کی تخصیص وتعریف مقصود ہوتی ہے۔ایسے :الف لام: کو:الف لامِ تعریف: کہتے ہیں۔مثال کے طور پر:اَلکتاب،القَمر ،الکحل، البروج: وغیرہ۔آپ دیکھیں گے کہ ان سب الفاظ کے تلفظ میں :اَل: کی آواز واضح طور پر ادا کی گئی ہے۔ایسے سب حروف جن سے شروع ہونے والے اسماء پر وہ :الف لامِ تعریف: لگایا جاسکتا ہے جس میں :اَل: کی آواز الگ سے سنائی دیتی ہے: قمر: کی مناسبت سے (واضح ہو کہ:القمر: میں :اَل: کی آواز ادا کی جارہی ہے)'' قمری حروف'' کہے جاتے ہیں۔یہ تعداد میں چودہ (۱۴) ہیں: ا،ب،ج،ح،ع،غ،ف،ق،ک،م،و،ہ،ی:۔ان سے جو اسم بھی بنے گا اگر اس پر:الف لامِ تعریف: لگایا جائے گا تو اس کی ادائیگی میں :اَل: سنائی دے گا۔ایسے تمام الفاظ کی تقطیع میں :الف لام: کو شمار کیا جائے گا کیونکہ وہ زبان سے ادا ہو رہے ہیں۔جیسے ہم لفظ :بالخصوص: کو :بل خُصوص: ادا کرتے ہیں اور اسی طرح تقطیع میں اس کا وزن بھی مقرر کیا جائے گا۔

دوسری جانب ایسے حروف ہیں جن سے بنائے گئے اسماء سے پہلے اگر :الف لامِ تعریف: لگایا جائے تو وہ ان الفاظ کی ادائیگی میں سنائی نہیں دیتے ہیں یعنی ان میں :الف لامِ تعریف: لکھا تو جاتا ہے لیکن ملفوظ نہیں ہوتا (یعنی زبان سے ادا نہیں کیا جاتا ہے)۔ایسے حروف بھی تعداد میں چودہ (۱۴) ہیں: ت،ث،د،ذ،ر،ز،س، ش،ص،ض،ط،ظ،ل،ن:۔چونکہ :اَلشّمس: کو اس کی :لام: غائب کرکے :اَش شمس: کی طرح ادا کیا جاتا ہے اس نسبت سے یہ حروف :شمسی: کہلاتے ہیں۔آپ دیکھیں گے کہ :الشّمس: میں :لام: کو ادا نہیں کیا جاتا ہے اور :ش: مشدّد ہوجاتی ہے یعنی تشدید کی وجہ سے تلفظ میں دو (۲) بار ادا کی جاتی ہے۔:الثور،الرشید: وغیرہ میں بھی یہی کیفیت ظاہر ہے۔ایسی صورت میں :الف لامِ تعریف: کی :لام: کو تقطیع میں نظر انداز کردیا جاتا ہے اور اس کے مابعد کا حرف مشدد ہوجاتا ہے۔مثال کے طور پر: والسلام: کو :وَس۔سَلام: پڑھا اور بولا جاتا ہے چنانچہ یہ اسی تلفظ کے ساتھ تقطیع میں محسوب کیا جائے گا۔

حاشیہ: اوپر لکھی ہوئی تفصیل کا تجزیہ کرکے شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے اپنی کتاب :درسِ بلاغت: میں

وضاحت کی ہے کہ چھوٹی آوازوں کو بڑا اور بڑی آوازوں کو چھوٹا کرنے کی مذکورۂ بالا صورت یا آزادی درج ذیل حالات میں واقع ہوتی ہے:

(ا) جب اضافت کا استعمال کیا گیا ہو۔

(ب) جب دو الفاظ کے درمیان: واو: یا: بڑی یے: آئے

(پ) جب لفظ کے آخر میں؛ الف، نون غنّہ، واو، ہ، ی، یے: ہو۔

(ت) جب کسی لفظ کے ایک سے زیادہ تلفظ مستعمل ہوں (آئینا، آئینہ۔ گوارا، گوارہ)

(ج) جب کسی لفظ کے شروع میں: الف: ہو اور اس لفظ کے ماقبل لفظ کا آخری حرف: الف: نہ ہو یا کوئی ایسا حرف نہ ہو جس پر ہمزہ لگا ہوا ہو۔

اصول۔ ۲ : دو چشمی ھ یا ہائے مخلوط

اُردو کی دو چشمی: ھ: دراصل ہندی سے مستعار ہے اور مقامی زبانوں کے زیر اثر اُردو میں شامل ہو گئی ہے جو عین اقتضائے فطرت تھا۔ دو چشمی ھ کو: ہائے مخلوط: بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ اپنے ماقبل حرف سے مل کر ایک نئی آواز پیدا کرتی ہے مثلاً: ہاتھ: میں ھ کا ماقبل حرف: ت: ہے جس کے ساتھ گھل مل کر اس نے: تھ: (ہاتھی، کتھا، ماتھا، تھوتھو) کی آواز پیدا کی ہے۔ فارسی اور عربی میں دو چشمی ھ کا وجود نہیں ہے۔ اُردو کے بیشتر علما ہائے مخلوط سے بنے ہوئے مختلف حروف کو اُردو کے حروف تہجی میں ہی شمار کرتے ہیں۔ اس طرح جو نئے حروف وجود میں آتے ہیں وہ تعداد میں پندرہ (۱۵) ہیں

: بھ (ابھی)، پھ (بپھر)، تھ (تھرک)، ٹھ (اُٹھنا)، جھ (اوجھل)، چھ (چھاچھ)،

دھ (آدھا)، ڈھ (بڈھا)، رھ (بارھواں)، ڑھ (باڑھ)، کھ (ایکھ)، گھ (گھر)،

لھ (دولھا)، مھ (کمھار)، نھ (ننھا):۔

اُردو کا کوئی لفظ دو چشمی ھ سے شروع نہیں ہوتا ہے۔ یہ الفاظ کے بیچ میں یا آخر میں ہی آتی ہے۔ اصول تقطیع کے مطابق جب دو چشمی ھ کسی لفظ کے درمیان میں یا اُس کے آخر میں آتی ہے تو نظر انداز کر دی جاتی ہے اور تقطیع میں کوئی علامت اس سے منسوب نہیں کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر: آدھا: کو تقطیع میں: آدا: کے

وزن پر لیا جائے گا کیونکہ :دھ: ایک مخلوط (ملی جلی) منفرد آواز ہے جس کا زبان اُردو میں وجود ہے۔اسی طرح :دودھ:کو:دُود: ، :بچھونا:کو :بچونا: اور:لاکھ:کو :لاک:کے وزن پر مانا جائے گا۔عام طور پر تقطیع کرتے ہوئے دو چشمی ھ کے الفاظ کو لکھا بھی اسی طرح جاتا ہے جیسے اس کا وجود ہی نہ ہو۔مثال کے طور پر غالبؔ کا یہ شعر دیکھئے:

تھا گریزاں مژۂ یار سے دل تا دمِ مرگ　　　دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا

تقطیع میں اس کو یوں لکھا جائے گا:

تا گریزاں مژۂ یار سے دل تا دمِ مرگ　　　دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجا

اشعار کی تقطیع کے دوران یہ نکتہ مزید واضح ہو جائے گا۔

اصول ۔ ۳: نون کی مختلف صورتیں

اُردو شاعری میں حرف:ن:مختلف شکلوں میں استعمال ہوتا ہے۔اسی لحاظ سے نونؔ کی تقطیع کے اصول بھی مختلف ہیں۔

۳۔ا: نونِ غُنّہ

نونِ غنّہ سے سبھی اُردو والے بخوبی واقف ہیں۔جو لوگ اُردو سے کم واقف ہیں اُن کی معلومات کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ:نونِ غنہ:اُردو میں حرفِ نون کی وہ شکل ہے جس میں نون کی آواز صاف سنائی نہیں دیتی بلکہ:ناک سے ادا کی جاتی ہے:۔اس کو لکھتے تو نون کی شکل میں ہی ہیں لیکن اس کے پیٹ میں نقطہ نہیں لگایا جاتا ہے اور اس طرح اس نون کی:گنگناتی: ہوئی آواز (nasal sound) کو ظاہر کیا جاتا ہے۔جیسے :ماں (maaN):کے تلفظ میں:نون: کی آواز ادا تو ہو رہی ہے لیکن اپنی اصل شکل میں نہیں بلکہ:ناک:سے ادا کی جا رہی ہے۔

جب کسی لفظ میں نون کی آواز پوری طرح ادا کی جائے تو اس کو اصطلاحی زبان میں:اعلانِ نون:(یعنی نون کا اعلان کرنا) کہتے ہیں اور ایسے نون کو:نونِ معلّن: کہا جاتا ہے۔جب نون غنہ کی آواز آئے تو اسے :اِخفائے نون:(یعنی نون کو چُھپانا) کہتے ہیں۔الفاظ کے آخر میں نونِ غُنّہ کو بغیر نقطہ کے نون کی طرح لکھا جاتا

ہے (ماں، مکاں، داستاں، رائگاں) لیکن اگر یہ لفظ کے بیچ میں آئے تو اسے عام نون کی شکل میں ہی لکھتے ہیں لیکن اس کا تلفظ نونِ غُنّہ کی طرح ہی کیا جاتا ہے۔ وضاحت کے لئے نیچے چند ایسے الفاظ کی مکتوبی (لکھی جانے والی) اور ملفوظی (پڑھی یا بولی جانے والی) دونوں شکلیں دی جارہی ہیں۔

مکتوبی شکل	ملفوظی شکل
رنگیں	رَں گیں
آنگن	آں گَن
اَندھیرا	اَں دھیرا
دھندلا	دُھں دلا

اگر نونِ غنہ کسی لفظ کے بیچ میں یا آخر میں آئے تو تقطیع میں شمار نہیں کی جاتی ہے۔ عام طور پر یہ صورت حروف علت (الف، واو، یے) کے بعد آنے والی نون میں ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر: ماند، چاندی، گونج، آسماں، نیند، رینگ، ڈھونگ، چونکہ، کیونکہ: وغیرہ۔ مثال میں علامہ اقبالؔ کا ایک شعر دیکھئے:

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں، نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں

نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی، نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

تقطیع کرتے وقت اس شعر کو یوں لکھیں گے:

نہ وہ عشق مے رہی گرمیا، نہ وہ حسن میں رہی شوخیا

نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی، نہ وہ خم ہے زلف ایاز مے

۳۔۲: وہ نونِ غنہ جو مقصورہ حرکات کے ساتھ آئے

اُردو میں جو حرکات: زیر، زبر، پیش: استعمال ہوتی ہیں اُنھیں حرکاتِ مقصورہ کہتے ہیں۔ اگر نون ایسی حرکت والے حرف کے فوراً بعد آئے اور اُس کو کھینچا نہ جائے تو اس کی آواز اپنے ماقبل حرف (یعنی اس سے پہلے آنے والے حرف) سے مخلوط ہوجاتی ہے یا گھل مل جاتی ہے۔ اس صورت میں ایک منفرد آواز پیدا ہوتی ہے جس کو بعض لوگ: غنغنی: کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر: تناور: میں: ت: پر زبر ہے اور اس کے فوراً بعد نون بھی ہے لیکن اس

نون کوحرف علت: الف: سے کھینچ کر آواز دی گئی ہے چنانچہ نون کے اِس استعمال کا شمار زیر بحث نون میں نہیں ہوگا۔ البتہ: بھَنوَر، کھنڈَر، کُنواں، سِنگھار: میں: بَ، کَ، کُ، سِ: پر حرکت ہے اوراس کے بعد نون بھی ہے لیکن اِس کو کھینچ کر لمبی آواز نہیں دی گئی ہے۔ ان سب کی آوازیں دوچشمی ھ سے گھل مل گئی ہیں۔ ایسی نون ہی ہماری گفتگو کا حصہ ہے۔ تقطیع میں اس کو غائب تصور کیا جاتا ہے اوران الفاظ کا تلفظ: بوَر، کَنڈَر، کُوا، سِنگار: کیا جاتا ہے۔ (یادرکھئے کہ دوچشمی ھ بھی تقطیع میں محسوب نہیں ہوتی ہے!)۔ مثال کے طور پر خواجہ حیدر علی آتش کا یہ شعر:

شب وصل کی چاندنی کا سماں تھا بغل میں صنم تھا، خدا مہرباں تھا

تقطیع میں یوں ملفوظ کیا جائے گا (بولا یا پڑھا جائے گا):

شب وصل کی چادنی کا سما تھا بغل مے صنم تھا، خدا مہربا تھا

۳۔۲: نونِ غنہ ملفوظی (یعنی وہ نونِ غنہ جو ایک مخصوص طرح ادا ہو، جس کا اعلان کیا جائے، نونِ غنۂ معلن)

وہ نون غنہ جو لفظ کے تلفظ میں صاف ادا ہو اور: میم نون: کی ملی جلی آواز میں سنائی دے نونِ ملفوظی (تلفظ میں ادا کی جانے والی نون) کہلاتی ہے۔ ایسے الفاظ کا ہر حرف بشمولِ نون (یعنی نون کے ساتھ بھی) تقطیع میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایسے الفاظ کی مثالیں: رَنگ، تنگی، سَنگسار، چنگاری: وغیرہ ہیں۔ غالبؔ کا شعر ہے:

گھستے گھستے مٹ جاتا، آپ نے عبث بدلا ننگِ سجدہ سے میرے، سنگِ آستاں اپنا

اس شعر کی تقطیع میں: نون ملفوظی: محسوب ہوگا۔ تقطیع کی تفصیل میں یہ نکتہ مزید واضح ہو جائے گا۔ یہاں اس بات کا اعادہ نا مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ تقطیع کی یہ نزاکتیں مسلسل مشق اور مطالعہ سے ہی ذہن نشین ہو سکتی ہیں۔ صرف پڑھ کر ان کو یاد رکھنا عام طور پر مشکل ہوگا۔ چنانچہ جب تقطیع کا بیان مکمل ہو جائے تو اصحاب ذوق کو تقطیع کی مشق کی ضرورت ہوگی۔ بہتر ہو کہ وہ عروض کی کوئی مستند کتاب خرید لیں اور اوّل اوّل اُس کی مدد سے تقطیع شروع کریں۔ ساتھ ہی ان مضامین پر بھی نگاہ رکھیں۔ اُمید ہے کہ اس طریقہ سے تقطیع کا کام نسبتاً آسان ہو جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆

حاشیہ: طوالت کے خوف سے: تقطیع کے بنیادی اصول: کا سلسلہ یہاں اگلی قسط تک کے لئے ختم کیا جا رہا

ہے۔ابھی بہت سی تفصیل باقی ہے جو آئندہ کے اسباق میں پیش کی جائے گی۔سبق۔۵ میں کہا گیا تھا کہ سبق۔۶ میں تمام افاعیل کے زحافات کی مکمل فہرست دی جائے گی۔اس کو بھی بصد معذرت ملتوی کیا جا رہا ہے اور تقطیع کا بیان پورا کرنے کے بعد ہی پیش کرنا مناسب ہوگا۔اُمید ہے کہ قارئین ہمارے اس اقدام کو اس کے صحیح تناظر میں دیکھیں گے۔یار زندہ، صحبت باقی!

☆☆☆☆☆☆☆